سوال

(934) دورانِ سفر مکمل نماز پڑھنے کا حکم

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

محلّٰی ابن حزم جلد نمبر۴، ص: ۲٦٦، میں حدیث ہے:

’عَن نَافِعٍ عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: صَلٰوۃُ السَّفرِ رَکعَتَانِ ، مَن تَرَکَ السُّنَّۃَ فَقَد کَفَرَ۔‘

’’سفر کی نماز دو رکعت ہے جس شخص نے یہ طریقہ شرعیہ چھوڑا (اور نماز پوری پڑھی) تو وہ کافر ہوا۔‘‘

اس حدیث اور دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازِ سفر صرف دو رکعت ہے سوائے مغرب کے۔ اب جو شخص اس نماز کو ناقص تصور کرکے پوری پڑھتا ہے، وہ قانون شرعی کو بدلتا ہے اور یہ کفر ہے، ہمیشہ دوگانہ پڑھو۔

اس حدیث کی استنادی حیثیت کیا ہے، نیز کیا دورانِ سفر مکمل نماز پڑھنے والا واقعی کافر ہے؟ کیا محدثین کی یہی رائے ہے؟ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا سفر میں قصر نہ کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ نیز کیا مولانا عبد القادر حصاروی مرحوم کا یہ بیان درست ہے کہ نماز دوگانہ ہی پڑھنی چاہیے۔ تفصیلی جواب سے نوازیں۔

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

مذکورہ بالا حدیث میں لفظ ’کفر‘ محض ڈانٹ اور سختی پر محمول ہے۔ کتاب و سنت میں اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں

’بَابُ خَوفِ المُومِنِ مِن أَن یَحبَطَ عَمَلُہٗ وَھُوَلَا یَشعُرُ‘ کے تحت حدیث ہے کہ ’سِبَابُ المُسلِمِ فُسُوقٌ ، وَقِتَالُہٗ کُفرٌ‘ (صحیح البخاری ، بَابُ خَوفِ المُؤمِنِ مِن أَن یَحبَطَ عَمَلُہٗ وَھُوَلَا یَشعُرُ، رقم:۴۸)

’’مسلمان کو گالی گلوچ کرنا فسق و فجور اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔‘‘

اس کی تشریح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

’وَلَم یُرِد حَقِیقَۃَ الکُفرِ الَّتِی ہِیَ الخُرُوجِ عَنِ المِلَّۃِ، بَل أُطلِقَ عَلَیہِ الکُفرُ مُبَالَغَۃً فِی التَّحذِیرِ مُعتَمِدًا عَلٰی مَا تَقَرَّرَ مِنَ القَوَاعِدِ أَنَّ مِثلَ ذٰلِکَ لَا یُخرِجُ عَنِ المِلَّۃِ‘ (فتح الباری: ۱/۱۲)

''اس سے مقصود ملت سے خارج کردینے والا کفر نہیں، بلکہ تحذیر اور وعید میں مبالغے کےلیے اس پر کفر کا اطلاق ہوا ہے۔ معتمد قواعد (قواعد پر اعتماد کرنے) کی بناء پر اس طرح کے اعمال سے آدمی ملت سے خارج قرار نہیں پاتا۔''

اسی طرح '''صَحِیحُ البُخَارِی'' 'بَابُ الاِنصَاتِ لِلعُلَمَاءِ' کے تحت الفاظ حدیث یوں ہیں:

'لَاتَرجِعُوا بَعدِی کُفَّارًا یَضرِبُ بَعضُکُم رِقَابَ بَعضٍ' (صحیح البخاری،بَابُ الاِنصَاتِ لِلعُلَمَاءِ،رقم:۱۲۱)

''میرے بعد کفر کی طرف مت لوٹنا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔''

اس کی توضیح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'وَالمَعنٰی لَا تَفعَلُوا فِعلَ الکُفَّارِ فَتُشَبَّهُوا بِهِم فِی حَالَةِ قَتلِ بَعضِهِم بَعضًا' (فتح الباری:۲۱۷/۱)

مفہوم اس کا یہ ہے کہ ایک دوسرے کے قتل میں کفار سے مشابہت مت اختیار کرنا۔

ان روایات سے مسئولہ روایت کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ پھر علمائے سلف سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ سفر میں اِتمام (نماز پوری پڑھنے) کی صورت میں کفر لازم آتا ہے۔ حدیث ہذا کے راوی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لیجیے ان سے کسی نے دریافت کیا کہ مسافر، مقیم امام کی اقتداء میں دو رکعتیں پا لیتا ہے تو کیا اس کو دو رکعتیں کافی ہو سکتی ہیں یا پوری پڑھے؟ انھوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا: کہ پوری پڑھے۔ (السنن الکبریٰ للبیهقی،بَابُ المُقِیمِ یُصَلِّی بِالمُسَافِرِینَ وَالمُقِیمِینَ،رقم:۵۵۰۳) بسندِ صحیح ثابت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں حضرت عثمان کی اقتداء میں نماز پوری پڑھی تو فرمایا:

'فَلَیتَ حَظِّی مِن اَربَعِ رَکَعَاتٍ رَکعَتَانِ' (صحیح البخاری،بَابُ الصَّلَاةِ بِمِنًی،رقم:۱۰۸۴)

''کاش چار رکعتوں سے دو رکعتیں میرے حصے میں آجائیں۔''

اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

'وَهٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ کَانَ یَرَی الاِتمَامَ جَائِزٌ وَاِلَّا لَمَا کَانَ حَظٌّ مِنَ الاَربَعِ وَلَا مِن غَیرِهَا، فَاِنَّهَا کَانَت فَاسِدَةٌ کُلُّهَا (فتح الباری:۵۶۴/۲)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک پوری نماز پڑھنا جائز تھا، بصورتِ دیگر ساری فاسد ہوتی تھی۔ (مسند احمد:۱۰۸/۲) میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت میں ہے:

'اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَن تُؤتٰی رُخصَتُهٗ کَمَا یَکرَهُ اَن تُؤتٰی مَعصِیَتُهٗ۔' (مسند احمد،رقم:۵۸۶۶)

'' ا کو پسند ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے، جس طرح اسے اپنی نافرمانی ناپسند ہے۔''

اس حدیث میں قصر کا نام ''رخصت'' رکھا گیا ہے، جو ''عزیمت'' کی ضد ہے۔ اس بناء پر زیرِ بحث حدیث کی سابقہ تاویل درست ہے۔ بالخصوص جب کہ دونوں روایتوں کے راوی ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ حضرت عائشہ اور عثمان رضی اللہ عنہما سے بحالتِ سفر نماز پوری پڑھنا صحیح بخاری میں ثابت ہے:

’بَابٌ یَقصُرُ إِذَا خَرجَ مِن مَوضِعِہٖ۔ ، مسئلہ ہذا کی مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو! (تفسیر اضواء البیان (۱/ ۳۱۷۔ ۳۲۱)

سوال میں مشارٌالیہ روایت حافظ نورالدین ہیثمی رحمہ اللہ ’’مجمع الزوائد‘‘ (۲/۱۵۴، ۱۵۵) میں بطریقِ مورق ذکر کرکے فرماتے ہیں : ’رِجَالُہٗ رِجَالُ الصَّحِیحِ۔ ، اس حدیث کے سب راوی صحیح کے راوی ہیں۔

یعنی صحیح کے راویوں کی صفات کے حامل ہیں۔

اَلمُحَلّٰی کی روایت کے بارے میں علامہ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

’اَمَّا ہٰذَا الحَدِیثُ بِہٰذَا اللَّفظِ مَرفُوعًا لَم أَجِدہُ إِلَّا فِی ہٰذَا المَوضِعِ وَہُوَ أَشبَہُ بِأَن یَّکُونَ مِن کَلَامِ ابنِ عُمَرَ، کَمَا سَیَأتِی مَوقُوفًا۔ وَیَحتَمِلُ أَن الخَطَأَ فِی رَفعِہٖ مِن مُحَمَّدِ بنِ الصَّبَاحِ، أَو مِن شَیخِہٖ عَبدِاللّٰہِ بنِ رَجَاءَ۔‘

’’یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ مرفوعاً مجھے نہیں مل سکی ماسوائے اس مقام کے۔ قرینِ قیاس ہے کہ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کلام ہو، جس طرح موقوف روایت عنقریب آرہی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے رفع میں محمد بن الصباح یا اس کے شیخ عبدا بن رجاء کی غلطی ہو۔‘‘

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ حاشیہ نمبر۳ میں فرماتے ہیں : کہ عبدا بن رجاء مکی ثقہ ہے۔ تاہم امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے : کہ اہلِ علم نے کہا ہے : اس کی کتابیں ضائع ہوگئیں۔ پھر اپنے حافظے سے لکھا کرتا تھا۔ اس بناء پر اس کی کئی روایات منکر ہیں۔

جہاں تک مولانا حصاروی مرحوم کے نقطۂ نظر کا تعلق ہے تو اس سے موافقت مشکل امر ہے۔ تفصیل اضواء البیان کے سابقہ حوالہ میں ملاحظہ فرمائیں!

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ حافظ ثناء اللہ مدنی

کتاب الصلوٰۃ : صفحہ:773

محدث فتویٰ